حجِ اکبر کا معنی ومفہوم

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

استاذ شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی

واذان من اللّٰہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللّٰہ بری من المشرکین ورسولہ۔ (التوبہ/۳)

اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن اعلان (عام) ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اسکا رسول بھی (ان کے عہد و پیمان سے بری الذمہ ہے)

قرآن مجید کا یہ واحد مقام ہے کہ جہاں حج کے لیے حج اکبر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ آیت مذکورہ مسلمانوں کے جس عظیم اجتماع میں پہلی مرتبہ پڑھ کر سنائی گئی وہ سن ۹ ہجری میں ادا ہونے والے پہلے حج کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ جو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ہوا تھا۔ اس لیئے ظاہر ہے کہ قرآن کی رو سے اصلاً حج الاکبر کے الفاظ اسی محل کے لیئے مخصوص ومفہوم ہوئے۔ مطلب صاف ہے کہ حج اکبر کی تخصیص وتفہیم کا انحصار جس محل پر موقوف ہوا۔ وہ یہی تھا۔ کیونکہ حج اکبر کا مورد اصلی بھی یہی حج تھا۔

پھر یہ حج نہ تو جمعہ کو واقع ہوا اور نہ ہی نو یا دس ذوالحجہ کو۔ بلکہ یہ اصلاً دس ذوالقعدہ کو واقع ہوا۔ جسے نسی کے قاعدہ سے ذوالحجہ بنایا گیا تھا۔ عربوں میں قمری کیلنڈر کو آگے پیچھے کرنے کی رسم بد موجود تھی۔ یوں مکہ میں بیک وقت دو کیلنڈر جاری رہتے تھے ایک اصلی (یعنی قمری) اور دوسرا مصنوعی (یعنی نسی) تو نسی کیلنڈر کے حساب سے ۹ ہجری کا حج ۱۰ ذوالحجہ کو ہوا تھا۔ مگر قمری حساب سے وہ ۱۰ ذوالقعدہ میں واقع ہوا

تھا۔ (۱) اس لیئے جب ۱۰ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا تو آپ نے اس امر کا اعلان بھی کیا کہ ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السمٰوٰت والارض السنۃ اثنا عشر شھراً منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ و ذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی الاخری وشعبان۔ (۲)

زمانہ اپنی اصل ہیئت میں گھوم کر آچکا ہے۔ جس ہیئت پر وہ اس دن تھا، جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال بارہ مہینے کا ہے۔ جن میں سے چار حرمت والے ہیں تین متواتر ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام۔ چوتھا رجب ہے جو مضر قبیلے کا کہلاتا ہے اور یہ جمادی الاخریٰ اور شعبان کے مابین ہے۔

ہمارے ہاں رجج اکبر کے سلسلے میں بالعموم جو بحث ملتی ہے وہ اپنے بنیادی مقدمے کے اعتبار سے ہی غلط ٹھہرتی ہے۔ جب یہ امر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حج اکبر کا تعلق اصلاً ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت والے حج سے ہے تو پھر آپ ﷺ اور جمعہ کو زیر بحث لانا امر زائد ہے۔ لہذا یہ سمجھنا کہ جو حج، جمعہ کو ہوتا ہے۔ اسے حج اکبر کہتے ہیں، غلط ہے یا وہ حج جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا۔ وہ آپ کی وجہ سے حج اکبر ہوا۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اسلام کے پہلے حج کو حج اکبر کہا ہے۔ جس میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حج اکبر کا تعین یقینی طور پر ان ہر دو امور سے ہٹ کر ہے۔

ہمارے نزدیک حج اکبر سے کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہر سال وقوع پذیر ہونے والے حج کا ہی نام ہے۔ اکبر کا لفظ تو حج اصغر یعنی عمرہ سے تقابل وامتیاز پیدا کرنے کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے ھذا ھو الحج الاکبر لان العمرۃ تسمی الحج الاصغر، اور تفسیر روح المعانی نے اسی حقیقت کو بایں الفاظ ادا کیا ہے۔ وصف بالحج بالاکبر لان العمرۃ تسمی الحج الاصغر۔ (۳)

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس وقت یوم الحج الاکبر والی آیت نازل ہوئی تھی تو کیا اس وقت سے ہی اس کا مفہوم یوم العرفہ یا یوم النحر یا یوم الجمعہ کے ساتھ مربوط ہو گیا تھا؟ ہر گز نہیں۔ یہ اضافی بحثیں یقیناً بعد میں پیدا ہوئیں کیونکہ یہ آیت اپنے وقت نزول سے ہی اپنی جو ہریت میں جس مفہوم کی حامل تھی۔ وہ فقط اتنی تھی کہ (چونکہ) مسلمانوں نے اب تک صرف عمرے ادا کیئے تھے۔ جسے وہ حج اصغر سے تعبیر کرتے تھے اور اب یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں مسلمانوں کو حکم فرضیت کے بعد حج کی سعادت نصیب ہونے والی تھی۔ چنانچہ اسے حج اصغر سے ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیئے حج اکبر کہا گیا۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حج الاکبر سے پہلے جو لفظ یوم آیا ہے اس سے مراد کوئی خاص دن لینے

پر جو اصرار کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ لفظ یوم کی عدم معرفت ہے۔ یوم کا لفظ عام طور پر عربوں کے ہاں مطلق وقت اور زمانے کے لیئے بولا جاتا ہے۔ جو دن اور رات کی تحدید و تخصیص سے بالعموم آزاد ہوتا ہے۔ اس لیئے گردش لیل و نہار کو یوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس تعریف کی رو سے یوم کا اطلاق جہاں کسی ایک دن پر کیا جاتا ہے وہیں ایک سال، ایک سو سال، ایک ہزار سال بلکہ پچاس ہزار سال پر بھی کیا جاتا ہے۔

تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (المعارج ۴/)

اسکی طرف فرشتے اور روح الامین عروج کرتے ہیں، ایک یوم میں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہے۔

اور یوم کا لفظ بطور استعارہ کسی امر عظیم کے لیئے بھی بولا جاتا ہے اور اسکے معنی حکومت و سلطنت کے بھی آتے ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں یوم کا لفظ ۳۴۹ مرتبہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ اس کے معنی، اس دن کے نہیں ہیں جو چوبیس گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ جہاں کسی مخصوص وقت و حالت کے لیئے بولا جاتا ہے وہیں کسی خاص دور اور مرحلہ کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

آیت زیر بحث میں یوم کا لفظ جس مفہوم کو ادا کرنے کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں اسے یوم العرفہ یا یوم النحر کی کسی ایک اکائی میں محصور کر کے جمعہ کی شرط سے مشروط کرنا، اسکی وسعتوں کی محدود کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک یوم الحج الاکبر سے مراد اسلام کے اولین حج سے لیکر قیامت تک واقع ہونے والے تمام حجوں کا زمانہ ہے جسمیں اس اعلان کی تذکیر کا عملی سامان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے جسمیں فرمایا گیا تھا کہ اب وہ وقت آگیا ہے یعنی حج اکبر کا زمانہ کہ جسمیں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے منادی کر دی گئی ہے۔ کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین مکہ سے بری الذمہ ہو چکا ہے۔

یہ اعلامیہ گو اولین حج کے موقع پر باقاعدہ، حکومتی اعلان کے طور پر سنایا گیا مگر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی یوم اعلان کو تسلسل و دوام بھی بخشا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ وقف یوم النحر بین الجمرات فی الحجۃ التی حج فقال ای یوم ھذا؟ قالوا یوم النحر قال ھذا یوم الحج الاکبر۔ (۴)

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے حج ادا کیا تو یوم النحر (یعنی قربانی والے دن) جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور صحابہ سے پوچھا کونسا دن ہے؟ انہوں نے کہا یوم النحر ہے آپ نے فرمایا یہ یوم حج اکبر ہے۔

یاد رہے کہ جس لمحہ موجود میں رسول اللہ ﷺ یہ ارشاد فرما رہے تھے وہ لمحہ ایام الاسبوع کے اعتبار سے ہفتہ کا دن تھا نہ کہ جمعہ کا۔

آپ ﷺ کا اسلام کے دوسرے اور اپنے پہلے اور آخری حج کے موقع پر اسے یوم الحج الاکبر سے تعبیر کرنا دراصل یوم کی وسعت کو ثابت کرتا ہے۔ نہ کہ اسکی محدودیت کو۔ اس لیئے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ قرآن کے بیان کردہ یوم کو، یوم النحر یا یوم العرفہ میں مخصوص و متعین کرنا، یا اسے یوم الجمعہ سے مشروط کرنا، یوم حج اکبر کی آفاقیت کو محدود کرنے اور خود حج اکبر کے امتیازی وصف کو ختم کرنے کے مترادف ہے مزید برآں یہ کہ حج اکبر کو جمعہ کے ساتھ بریکٹ کرنے اور پھر اسے ستر حج کے برابر سمجھنے کی بحثیں، قرآن مجید کے تصور یوم الحج الاکبر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تفسیر نعیمی، جلد دہم، ص ۱۵۱، مفتی احمد یار خان نعیمی، ناشر: نعیمی کتب خانہ، مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات، سنہ اشاعت درج نہیں

۲۔ الجامع الصحیح للبخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل بخاری، باب نمبر ۵۰۷، رقم الحدیث ۱۷۷۳، ناشر فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۰ء

۳۔ الجزء العاشر، ص ۴۷، مکتبہ امدادیہ، ملتان، سنہ اشاعت درج نہیں

۴۔ تفسیر روح المعانی، ص ۴۶، الجزء العاشر، مکتبہ امدادیہ ملتان

.....

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے آیات وعلامات الٰہیہ

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

سل بنی اسرائیل کم اتینهم من اية بينة ، ومن يبدل نعمة الله من بعد ما جاء ته فان الله شديد العقاب۔

ترجمہ: پوچھئے بنی اسرائیل سے کہ ہم نے ان کو کتنی واضح نشانیاں دی تھیں اور جو اللہ کی نعمت کو حاصل ہو جانے کے بعد بدل دے، پس (ایسوں کو) اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ: ۲۱۱)

اس آیت میں مسلمانوں کو بنی اسرائیل کی تاریخ پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور بین السطور یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں، علماء کی گروہ بندیوں، اور ان کے بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیکر اس سے عبرت حاصل کریں اور ان جیسی صفات سے بچیں۔ اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جس کو نعمت مل جائے اور وہ اس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کرے یا اسے بدل دے اور واضح دلائل ہوتے ہوئے راہ ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کرے یا رشد وہدایت کے ذرائع و اسباب کو غلط استعمال کر کے ان سے گمراہی اور فسق وفجور کا کام لے تو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق واضح ہو جانے کے بعد پھر بھی جو لوگ نہیں مانتے تو ان کا کیا حشر ہوتا ہے اور انہیں کتنے قسم کے عذابوں سے سابقہ پڑتا ہے یہ بنی اسرائیل کے علماء واحبار سے پوچھیے کہ ہم نے حق سمجھانے کے لئے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو کتنی واضح دلائل اور نشانیاں دی تھیں، اور یہی دلائل ونشانیاں ان کی ہدایت کا سبب تھیں مگر انہوں نے ان اسباب ہدایت سے صراط مستقیم کے

بجائے ضلالت کی راہ اختیار کی نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ دلیلوں اور واضح نشانیوں میں غور نہ کرنا اور اسکی نعمتوں کی ناقدری وناشکری کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں آیت سے کیا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا کیا نشانیاں عطا فرمائی تھیں، مفسرین کے قول کے مطابق آیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں وہ دلائل اور وہ معجزات ہیں جو ان کی ہدایت کا سبب تھے مثلاً تورات یا تورات کی آیات، یا قرآن مجید، یا صحف موسیٰ یا زبور وانجیل ہیں یا وہ معجزات جو بنی اسرائیل کے طلب کرنے پر یا انہیں راہ ہدایت پر لانے کے لئے دکھائے گئے جیسے کمالات عصائے موسیٰ، یعنی عصاء کا اژدھا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا، دریا میں مارنے سے راستہ بن جانا پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے جاری ہو جانا، ید بیضا (روشن ہاتھ) یا فرعون سمیت فرعونی لشکر کی غرقابی وغیرہ، یا بادل سے مینڈکوں کی بارش، یا خون اور جوؤں کی بارش، یا پہاڑ اکھڑ جانا یا کوہ طور سے اللہ کا کلام سنانا وغیرہ وغیرہ مگر بنی اسرائیل یہ نشانیاں، یہ آیات بینات اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی راہ ہدایت پر نہ آئے بلکہ مزید مطالبات کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے اللہ کو نہ دیکھ لیں۔

نیز اسی آیت میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کا اور پھر بنی اسرائیلیوں کی طرف سے ان نعمتوں کو بدلنے کا ذکر بھی ہے جس پر انہیں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ نعمتوں کو بدل دینے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کیا وہ پوری نعمت کو الٹ دیتے تھے یا اس میں ترمیم واضافہ کرتے تھے یا اس میں تنقیص وتحریف کرتے تھے۔ آیت میں لفظ یبدل استعمال ہوا ہے۔ الابدال والتبدیل والتبدل والاستبدال کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز کی جگہ رکھنے کے ہیں یہ عوض سے عام ہے کیونکہ عوض میں پہلی چیز کے بدلہ میں دوسری چیز لینا شرط ہوتا ہے لیکن تبدیل مطلق تغیر کو کہتے ہیں جیسے فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لهم یعنی جو ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا (مفردات راغب مترجم محمد عبدہ فیروز پوری ج اص ۷۶)

بدل۔ تبدیل سے بنا ہے، بمعنی بدل دینا۔۔ کسی چیز کی حالت بدل دینے کو تغیر کہتے ہیں اور اصل بدل دینے کو تبدیل کہتے ہیں (تفسیر نعیمی بقرہ آیت ۲۱۱) تبدیلی نعمت چار طریقوں سے ہوتی ہے۔ (۱) نعمت کو سرے سے قبول ہی نہ کرنا۔ (۲) نعمت کو کھلے عام یا خفیہ طریقے سے بدل دینا۔ (۳) نعمت کے کچھ حصے کو باقی رہنے دینا اور کچھ حصے کو بدل دینا۔ (۴) نعمت کی قدر نہ کرنا یا اس نعمت پر شکر ادا نہ کرنا۔۔ بنی اسرائیل نے یہ چاروں حرکتیں کی تھیں جب کہ نعمت کی ناقدری وناشکری کرنا نعمت کے چھن جانے کا

سبب ہے لہٰذا انجام کار بنی اسرائیلیوں کی عزت وعظمت کو بھی خواری وذلت میں بدل دیا گیا۔ اب ہم مختصر طور پر ان میں سے چند نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عطا فرمائی تھیں اور انہوں نے اسے بدل دیا جس پر وہ سزا کے حقدار ٹھہرے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے تورات نازل فرمائی مگر اس میں انہوں نے تحریف کی، اس کے احکام کی اتباع کے بجائے ان کو بدل ڈالا، حق باتوں کو چھپایا، اس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کیا، چنانچہ اس جرم پر انہیں ذلت ومسکنت کی سزا بھگتنی پڑی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے، بنی اسرائیلیوں نے ان پر ایمان لانے اور ان کی تعلیمات کو قبول کرنے کے بجائے ان کی تکذیب کی اور بعض پیغمبروں کو قتل بھی کیا، جس پر بطور سزا ان سے مصر کی سلطنت وحکمرانی چھین لی گئی اور انہیں دوسروں کا غلام بنا دیا گیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا کلام سننے کی نعمت سے نوازا تو اسے تسلیم کرنے کے بجائے شبہات نکالے اور اللہ تعالیٰ کو واضح دیکھے بغیر ایمان لانے سے انکار کر دیا، جس پر وہ بطور سزا بجلی کی ایک کڑک سے ہلاک کر دیئے گئے۔

۴۔ ان پر من وسلویٰ نازل کیا گیا مگر وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے بجائے اسے بچا کر رکھنے لگے تو وہ سڑنے لگا، اور بلا مشقت روزی ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے کھانے کی نکتہ چینی کی، تو اس ناشکری پر من وسلویٰ روک کر انہیں بطور سزا کھیتی باڑی کی مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا، من وسلویٰ کی جگہ ساگ پات اور فرصت کی جگہ انہیں رات دن مشغول کر دیا گیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ حطۃ نغفر لکم کہتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں بخش دیا جائیگا مگر انہوں نے لفظ کو ہی بدل دیا اور حنطۃ فی شعیرۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے تو ان کو بطور سزا پھر سے شہر بدر کر دیا گیا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں راستہ دے کر بنی اسرائیل کو فرعون کے لشکر سے نجات دی، فرعون کو لشکر سمیت غرق کیا مگر انہوں نے احسان ماننے کے بجائے اس احسان کی ناقدری کی، جس پر انہیں سزائے قتل دی گئی۔

۷۔ ان سے کہا گیا کہ یوم سبت یعنی ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کرنا مگر انہوں نے اس حکم میں تبدیلی کی یعنی شکار تو نہ کیا مگر ہفتے کے دن مچھلیوں کو تالابوں، حوضوں اور گڑھوں یا جوہڑوں میں جمع کیا تو بطور سزا انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

۸۔ مسلسل نعمتوں کی ناشکری پر کوہ طور کو ان پر گرانے کے لئے معلق کیا گیا مگر پھر انہیں معاف کر دیا گیا۔

۹۔ بنی اسرائیلیوں کو یقین دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے معجزات دکھائے، پھر بھی انہوں نے انکار کیا۔

۱۰۔ وادی تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء پر گرمی سے بچانے کے لئے ان بنی اسرائیلیوں پر بادلوں کا سایہ کیا گیا، اسی صحراء میں کتنی طریقوں سے انکی دستگیری کی مگر انہوں نے تمام نعمتوں اور دستگیریوں کی ناشکری کی۔

۱۱۔ نزول وحی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضور خاتم الانبیاء علیہ الثناء والتحیہ پر ایمان لانے کی نعمت غیر مترقبہ عطا فرمائی مگر انہوں نے نعمت الٰہی یعنی ذات محمدیہ اور آپ کی نبوت پر ایمان نہ لا کر کفران نعمت کیا تو بطور سزا انہیں ملک بدر ہونا پڑا۔

۱۲۔ موجودہ بنی اسرائیلیوں سے پوچھیے کہ انہیں کتنی تعداد میں نشانیاں اور نعمتیں دی گئی تھیں ان کے پاس انہی میں سے تین ہزار سے زائد پیغمبر بھیجے، توریت، زبور، انجیل اور صحیفے دیئے، مگر ان ذرائع رشد وہدایت سے انہوں نے رہنمائی حاصل نہ کی اپنے پیغمبر کا ساتھ دینے کے بجائے کہتے رہے فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (یعنی اے پیغمبر آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں)۔

خلاصہ یہ کہ اس سے پہلے والی آیت میں بنی اسرائیل کی طرف سے عذاب کے انتظار کا ذکر تھا کہ وہ لوگ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ بادلوں کے سائبانوں سے عذاب لانے والے فرشتے اللہ کا عذاب لے کر ان کے پاس آجائیں مگر بادلوں کے سائبانوں سے عذاب کا آنا حیران کن نہیں ہے۔ یہ بنی اسرائیلی بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات وعلامات اور عذابات کا کئی بار مشاہدہ کر چکے ہیں اگر تمہیں یہ امر حیران کن معلوم ہوتا ہے تو بنی اسرائیلیوں سے پوچھ لو، وہ بادلوں کے سائبانوں میں بیشمار نشانیاں دیکھنے کا انکار نہیں کر سکتے۔

.....